اداریہ

گزشتہ ماہ مسیحی - مسلم تعلقات کے حوالے سے اخبارات و جرائد میں بہت کچھ پڑھنے، نیز نجی اور پبلک اجتماعات میں بہت کچھ سننے کا موقع ملا۔ اور یہ سارا تحرک اولاً قومی اسمبلی میں مسیحی رکن جناب جے - سالک کی "سیاست کاری" اور ثانیاً قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا کالم تجویز کیے جانے سے پیدا ہوا۔

جہاں تک جے - سالک کا تعلق ہے وہ اپنے اختلافات اور اختلافی آراء نت نئے انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں اور قومی اسمبلی کے حالیہ اجلاس سے پہلے انہوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ ایوان میں اپنی نشست پر بیٹھنے کے بجائے زمین پر بیٹھیں گے۔ چنانچہ جب چار روز کے وقفے کے بعد اسمبلی کا اجلاس یکم اکتوبر کو شروع ہوا تو انہوں نے حسبِ اعلان نشست پر بیٹھنا پسند نہ کیا اور کھڑے رہے۔ اُن کی نشست نہ سنبھالنے پر جب حزب اختلاف کے ایک رکن نے اسپیکر کی توجہ اُن کی جانب مبذول کرائی تو وزیر قانون جناب چودھری عبد الغفور نے کہا کہ جے - سالک "جو بات کرنا چاہتے ہیں وہ ایوان کے اندر کا معاملہ نہیں ہے۔" اس پر جناب سالک نے اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

> "جناب سپیکر! میں رکنِ اسمبلی ہوں۔ مجھ پر ظلم اور زیادتی ہو رہی ہے اور وزیر قانون یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ ایوان کا معاملہ نہیں ہے۔ وفاقی دارالحکومت سمیت میں نے چاروں صوبوں میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے ہیں۔ جن لوگوں نے صرف بارہ سو ووٹ حاصل کیے۔ حکومت نے اُنہیں وزیر بنا دیا اور صحیح اقلیتی نمائندہ کی آواز کو دبایا جا رہا ہے۔ مجھے سڑکوں پر مارا اور گھسیٹا جاتا ہے۔ میری بے عزتی کی جاتی ہے --- اکسٹھ لاکھ روپے بیوہ فنڈ کے مجھے دیے جانے تھے، وہ ابھی تک روکے ہوئے ہیں۔ میرا قصور یہ ہے کہ میں اقتدار کے بچیرو گروپ میں شامل نہیں ہونا چاہتا۔ میں رشوت نہیں لیتا۔ میرے اسلام آباد میں پلاٹ نہیں ہیں اور نہ یہ میں لینا چاہتا ہوں ----
>
> جناب اسپیکر! جو شخص مجھ سے ۳۳ ہزار ووٹوں سے ہارا، اُسے مجھ پر حاوی کرنے کے لیے طرح طرح کے حکومتی اقدامات کیے جا رہے ہیں --- حکومت مجھے جھوٹے مقدموں میں پھنسانے کی کوشش کر رہی ہے --- میں سچا پاکستانی ہوں، محبِ وطن ہوں اور قائداعظم محمد علی جناح کے اصولوں کی روشنی میں سیاست کر رہا ہوں۔ میرے قائداعظم نے کہا تھا کہ یہاں اقلیتوں کو مکمل آزادیٔ اظہار ہوگی۔ اُنہیں اُن کے حقوق دیے جائیں گے۔"

اطلاعات کے مطابق جناب جے - سالک جب تقریر فرما رہے تھے، اُن کے آواز گلوگیر ہو گئی اور

پھر پھوٹ پھوٹ کو رونے لگے۔ ایوان میں سناٹے کی کیفیت تھی مگر وزیرِ قانون نے ایک بار پھر جنابِ اسپیکر کو توجہ دلائی کہ "جے - سالک ڈرامہ بازی کر رہا ہے۔" اُن کے رونے دھونے کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس پر ایوان میں تلخی کا پیدا ہو جانا یقینی تھا اور ہوئی بھی۔ وزیرِ قانون اپنے تاثر کے حق میں فضا پیدا کرنے میں ناکام رہے اور جنابِ اسپیکر کے کہنے پر "ڈرامہ بازی" کے الفاظ کارروائی سے حذف کر دیے گئے۔ (یہ الگ بات کہ اگلے روز اخبارات میں یہ الفاظ چھپے بلکہ خود جناب جے - سالک نے ان الفاظ کے تلازمات سے نکتہ آفرینی کی۔)

جناب وزیرِ قانون The News کے خلاف دائر کیے جانے والے مقدمے کے باعث جمہوری اقدار کے حامیوں، حزبِ اختلاف اور بالخصوص صحافی برادری کی تند و تیز تنقید کا نشانہ بن چکے تھے اور چند روز پہلے حکومت کی طرف سے مقدمہ واپس لیے جانے پر جنابِ وزیر حقیقتاً زک اٹھا چکے تھے۔ اس پس منظر میں "قضیۂ سالک" پر اخبارات نے خوب خوب لکھا۔ جنابِ سالک کی مظلومی اپنی جگہ مگر وزیرِ قانون کا رویّہ بالخصوص زیرِ بحث رہا۔

جناب جے - سالک نے یکم اکتوبر کے واقعہ کے بعد کیا کہا۔ اس پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے۔

۴ اکتوبر — چودھری غفور نے مجھے ڈرامہ کہہ کر ۱۲ کروڑ عوام کی توہین کی ہے۔ ۱۶ اکتوبر کو وزیرِ قانون کے شہر ہارون آباد سے "اٹ کھڑکا" شروع کروں گا۔ موجودہ حکومت ٹھیک ۲۸ دن بعد اس ماہ کے دوران میں ختم ہو جائے گی۔

۵ اکتوبر — اسپیکر کی رولنگ کے خلاف پاکستان ٹیلی وژن نے حذف شدہ الفاظ ٹیلی کاسٹ کر کے پارلیمنٹ سے بغاوت کی ہے اور اسپیکر کی توہین کی ہے جس کا فوری نوٹس لیا جانا چاہیے۔

۷ اکتوبر — وزیرِ اعظم محمد نواز شریف کی مسلسل بے حسی کے خلاف احتجاجاً ۳۱ اکتوبر کو قومی اسمبلی سے مستعفی ہو جاؤں گا۔ میرے استعفاء کے ساتھ ہی نئی تحریک جنم لے گی اور میں "بستر گول کرو" تحریک کا آغاز کروں گا۔

حکومت نے اگر میری نشست پر ضمنی انتخابات کرائے تو حکومت کو ۳۳ ہزار پولنگ اسٹیشن قائم کرنے پڑیں گے اور ضمنی انتخابات پر ۶۵ کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔ ضمنی انتخابات میں میری اہلیہ مسز جے - سالک کو امیدوار بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

(اسی اثناء میں ۷ اکتوبر کو جنابِ سالک کی شکایات کا جائزہ لینے کے لیے قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی قائم کر دی گئی۔)

۱۰ اکتوبر — خصوصی کمیٹی سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ کیوں کہ ماضی اس بات کا گواہ ہے کہ جب بھی کسی مسئلے کے حل کے لیے کمیٹی بنائی گئی وہ مسئلہ حل نہیں ہوسکا اور اس کمیٹی کو اٹھانے کے لیے ایک اور کمیٹی بٹھانی پڑی۔

میرا استعفاء اپنے مطالبات کے حق میں نہیں بلکہ وزیر اعظم نواز شریف کی بے حسّی کے خلاف ہوگا۔ استعفاء ۳۱ کی بجائے ۲۸ اکتوبر کو پیش کروں گا۔ یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ ۳۱ اکتوبر کو قومی اسمبلی کا اجلاس ختم ہوجائے گا۔

۱۵ اکتوبر — قومی اسمبلی اکتوبر کے بعد نہیں چلے گی۔ ۲۵ اکتوبر کو مستعفی ہوجاؤں گا۔

۱۸ اکتوبر — ۲۵ اکتوبر سے پہلے اگر گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو زہر پی لوں گا۔ میں نے اس سلسلے میں وصیّت بھی تیار کرلی ہے اور اس میں ایسے افراد کے نام بھی لکھ دیے گئے ہیں کہ اگر مجھے کچھ ہوگیا تو ان لوگوں کے خلاف ایف - آئی - آر درج کی جائے۔

۲۲ اکتوبر — خون سے لکھ کر ۲۵ اکتوبر کو استعفاء پیش کر دوں گا۔ اب حکومت میرا ترقیاتی فنڈ جاری بھی کر دے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں، بہت دیر ہوچکی ہے۔ استعفاء کے بعد ۲۶ اکتوبر کو ۳ بجے تیزگام سے لاہور جاؤں گا جہاں سے بینڈ باجوں کے ساتھ پریس کلب جا کر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔

یکم اکتوبر کی تقریر سے لے کر ۲۲ اکتوبر تک پریس کو دیے گئے بیانات پر ایک نظر ڈالنے سے واضح ہے کہ جناب حج - سالک نے اوّلاً اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ مسیحی آبادی کے سب سے زیادہ پسندیدہ رکنِ اسمبلی ہیں۔ انھوں نے نام لیے بغیر وفاقی وزیر مملکت برائے اقلیتی امور جناب پیٹر جان سہوترا کو اپنے سے ہارا ہوا قرار دیا ہے۔ ثانیاً انھوں نے واضح کیا ہے کہ جناب وزیر اعظم نے دسمبر ۱۹۹۱ء سے اب تک ان کے ساتھ ہونے والے سلوک پر ایک لفظ تک نہیں کہا۔ ثالثاً انھوں نے اپنی سیاسی پیش بینی کو اپنے بیانات میں بڑی اہمیت دی ہے۔ رابعاً جناب سالک نے بتایا ہے کہ وہ ذاتی مفادات سے دور رہنے والے آدمی ہیں اور عوام کے لیے وہ کوئی سی بھی قربانی دے سکتے ہیں۔

بالآخر وہ دن آگیا جس کا اخبار نویس بے تابی سے انتظار کر رہے تھے مگر نہ تو پیٹر جان سہوترا نے کچھ کہا، نہ جناب وزیر اعظم نے خاموشی کی مہر توڑی اور نہ جناب حج - سالک کی پیش گوئیاں ہی درست ثابت ہوئیں۔ اب اسی بات کا امکان تھا کہ وہ استعفاء دے کر اپنے بیان کردہ پروگرام کے مطابق "عوام" سے آملیں گے، مگر وہ اپنے مقرر کردہ دن استعفاء نہ دے سکے۔

کیا ارادے کی تبدیلی کسی دانش مندانہ مشورے کا نتیجہ تھی؟ یا اُن کے مطالبات اب مطالبات نہیں رہے یا یہی انداز سیاست ہے؟ ایک عام شہری اس سے باخبر نہیں تاہم اتنا واضح ہوگیا ہے یکم

اکتوبر سے شروع ہونے والے قضیے میں مسیحی اور مسلم اہل دانش کے لیے غور و فکر کا خاصا سامان موجود ہے۔ اہم اور سنجیدہ مسائل چٹکلوں، فقرے بازی یا تند و تیز بیانات سے حل نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے حل کے لیے محبت، رواداری، صبر و برداشت اور افہام و تفہیم کی ضرورت ہوتی ہے۔

ان ہی سنجیدہ مسائل میں غیر مسلم اقلیتوں کے حوالے سے شناختی کارڈ میں مذہب کے کالم کی شمولیت ہے۔ مسیحی اہل دانش کو اس مسئلے پر ٹھنڈے دل کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ بھلا مسلم اکثریت اور اس کی دینی قیادت کو یہ مطالبہ کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا اظہار ہونا چاہیے۔ یہ کسی طبقے کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم کرنے کی خاطر نہیں کیوں کہ مذہب کی بنا پر اگر شناخت موجود ہے تو اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح مسلم اہل دانش اور بالخصوص علماء کرام کو یہ واضح کرنا چاہیے کہ اسلام اقلیتوں کے بارے میں کتنا واضح ہے کہ جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ جیسے بنیادی حقوق میں کسی مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ذرہ بھر فرق نہیں۔